Vol. 5 No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

بیسویں صدی کی خواتین افسانہ نگار ترقی پسند تحریک کے تناظر میں

TWENTIETH-CENTURY WOMEN FICTION WRITER IN THE CONTEXT OF THE PROGRESSIVE MOVEMENT

Dr.Shazia Andleeb
Office Assistant, Urdu
GC.Women University Faisalabad
Dr.Tayyaba Nighat
Assistant Professor,Urdu
GC.Women University Faisalabad

Abstract

From the beginning of the twentieth century, educated women played a vital role in bringing women's issues to the fore in the world of fiction. In 1952, Sajjad Zaheer compiled "Angara" consisting of ten legends. This legendary collection included the fictions of Sajjad Zaheer, Ahmed Bhi, Mahmood Al Zafar, and Rashid Jahan. Of course, their technical status was not high Rashid Jahan also faced criticism for her outspoken style, but she stuck to her style and was called the first progressive woman.

ترقی پسند تحریک اُردو ادب کی ایک ایسی تحریک تھی جس نے ادب کو شدت سے متاثر کیا۔ تحریک کوئی بھی ہو، کسی بھی قسم کی ہو، یک دم جنم نہیں لیتی بلکہ ہر تحریک کے عناصر صدیوں سے جنم لے رہے ہوتے ہوتے تخلیق کے مراحل سے گذر رہے ہوتے ہیں اور یہ تحریک بھی اُسی وقت شروع ہو چکی تھی جب پریم چند حقیقت پسندی کو لیے ادبی دنیا کا حصہ بنے لیکن اس کی کڑیاں اس کے اساسی عناصر سجاد ظہیر سے جا ملتے ہیں جنہیں ترقی پسند تحریک کا باوا آدم کہا جا سکتا ہے بلکہ اس سے پہلے اختر حسین رائے پوری اور احمد علی اس کا آغاز کر چکے تھے۔ ۱۹۳۳ء میں انگارے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ترقی پسندی کا نقطہ آغاز تھی اور ایک بغاوت نامہ بھی اس سے پہلے علی گڑھ تحریک بھی ادب کی دنیا میں انقلاب کا باعث بنی لیکن اُس تحریک نے ادباء کو ایک جماعت پر لانے کا کام نہیں کیا۔ ادب میں شدت سے تبدیلی آئی لیکن ادب کی تخلیق کے بارے میں کوئی فیصلہ نافذ نہیں کیا گیا اور بیسویں صدی کے ربع اول تک ادب ایک انفرادی عمل تھا۔ ادبا کی انفرادی ادبی کارناموں سے کئی ترقی پسند تحریک باضابطہ تنظیم کے تحت ادبا کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی اجتماعی کوشش تھی اس کی ابتداء بے شک نامناسب حالات میں ہوئی لیکن تبدیلی کو مقبول کرنے کے لیے فضا تیار تھی چنانچہ اس تحریک نے ایک تحرک کی فضا ادبی دنیا میں پیدا کی۔

پیرس میں ہونے والی ادبی کانفرنس ترقی پسند تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ جولائی ۱۹۳۵ء میں دنیا کے چند ادیبوں نے پہلی بار ادب کو تحریک بنانے پر زور دیا۔ یہ کانفرنس Wordl Congress of the writers for the defence of culture کے نام سے نازی ازم اور فاشزم کے دوہرے معیار کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے بلائی گئی تھی۔ اس کانفرنس نے ترقی پسند تحریک کی راہیں ہموار کیں اس کانفرنس میں شرکت کے بعد سجاد ظہیر نے انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد رکھی۔ باقاعدہ تنظیم کی اور ایک دستور بھی ترتیب دیا اس دستور کے اہم نکات یہ تھے۔

> " ہندوستانی مصنفوں کا فرض ہے کہ جو نئے ترقی پذیر رجحانات اُبھر رہے ہیں، ان کی ترجمانی کریں اور اُن کی نشوونما میں پورا حصہ لیں۔ ہماری انجمن کا مقصد یہ ہے کہ ادبیات اور فنونِ لطیفہ کو قدامت پرستوں کی مہلک گرفت سے نجات دلائے اور ان کو عوام کے دکھ، سکھ اور جدوجہد کا ترجمان بنا کر اس روشن مستقبل کی راہ دکھائے جس کے لیے انسانیت اس دور میں کوشاں ہے۔۔۔" (1)

ڈاکٹر انور سدید اس تحریک کے متن دور بتاتے ہیں۔

پہلا دور: ناکنگ ریستوران لندن کے اعلان نامے سے سجاد ظہری کی گرفتاری تک

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

(۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک)

دوسرا دور: سجاد ظہیر کی رہائی سے آزادی پاکستان تک

تیسرا دور: طلوعِ آزادی سے سیاسی پابندی اور نئے منشور کی اشاعت تک [2]

(۱۹۴۷ء۔۱۹۵۶ء)

مخالفت بھی ہوئی لیکن بہت سے ادیبوں نے اسے پسندیدگی کی نظر سے بھی دیکھا لیکن مخالفت کے باوجود اس تحریک نے مقبولیت عام حاصل کی۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے مختلف تاریخی ادوار اِس تحریک پر بھی اثر انداز ہوتے رہے۔ یہ مختلف مراحل سے گزرتی رہی۔ ادب میں تغیر کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ اُس دور میں ہندوستان کے بدلتے حالات اِس تحریک اور لکھنے والوں پر بھی اثر انداز ہوتے رہے۔ علی گڑھ تحریک، انجمن پنجاب رومانی تحریک، انگریزی زبان کا فروغ اور یورپ کے علمی سرمائے سے استفادہ اور ادبی رسائل کی کثیر تعداد میں اشاعت مثلاً ادبی دنیا، ساقی، نیرنگ خیال وغیرہ، یہ تحریریں مخزن، نگار، جیسے رسالوں سے مختلف تھیں اور فرد کو زندگی سے بغاوت کی جگہ زندگی کے ساتھ مفاہمت کے لیے تیار کر رہی تھیں چنانچہ نیا ادب بھی ترقی پسند ادب کہلانے لگا۔ اُردو افسانہ شروع ہی سے پریم چند کی حقیقت نگاری سے وابستہ رہا تو کیا ہم پریم چند کو ترقی پسند پہلا ادیب ہی قرار دے سکتے ہیں۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی ترقی پسند تحریک کے تحت نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ ترقی پسندی حقیقت نگاری کا اسلوب اگر کرشن چندر کے ہاں ہیں، ترقی پسندی کے "شعلے" احمد علی نے جلائے تو رشید جہاں بھی کسی سے پیچھے نہ تھیں۔

بیسوی صدی کے ابتدائی حصے سے ہی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھرپور کردار ادا کیا اور افسانے کی دنیا میں عورتوں کے مسائل لے کر آگے آئیں۔ ظلم اور ناانصافیوں پر قلم اٹھایا۔ پردے کو موضوع بنایا، عورتوں پر لگائی جانے والی بے جا پابندیوں کو سامنے لے کر آئیں یعنی افسانوی ادب میں عورت نے پورے شعور کے ساتھ قدم رکھا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر بغاوت احتجاج مزاحمت کا رجحان رشید جہاں لیے اُردو افسانے میں داخل ہوئیں۔ ۱۹۳۲ء میں سجاد ظہیر نے دس افسانوں پر مشتمل "انگارے" ترتیب دیا۔ اس افسانوی مجموعہ میں سجاد ظہیر، احمد بھی، محمود الظفر، کے ساتھ رشید جہاں کے افسانے بھی شامل تھے۔ بے شک اُن کی فنی حیثیت زیادہ نہیں تھی لیکن ان افسانوں نے معاشرتی سطح پر انقلاب پیدا کر دیا اور رشید جہاں نے اپنے بے باک نسائی اسلوب کی بدولت مقبولیت حاصل کی۔ رشید جہاں کو اپنے بے باک اسلوب کی وجہ سے تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر وہ اپنے اسلوب پر قائم رہی اور پہلی ترقی پسند خاتون کہلائی۔ ڈاکٹر نزہت عباس ان کے بارے میں لکھتی ہیں:

> " انھوں نے (رشید جہاں) روایتی بندشوں اور سماجی پابندیوں کے خلاف آواز اٹھا کر ایک نسائی تحریک کا آغاز کیا۔ اُن کے لب و لہجہ میں تیز دھار زبان و بیان کا احساس ہوتا۔ ادب میں ایک نئی روایت کی شروعات تھی۔" [3]

رشید جہاں کے مشہور افسانے "دلی کی سیر"، "چھدا کی ماں"، "بے زبان آصف جہاں کی بہو"، "اندھے کی لاٹھی" وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے افسانے دہلی کی خاص فضا سے تعلق رکھتے تھے اور متوسط طبقے کے بارے میں تھے اور متوسط طبقے کی سیاسی، سماجی اور نفسیاتی الجھنوں اور مسائل کو بیان کرتے تھے۔ رشید جہاں کے افسانوں میں رومان کی رنگین دنیا نہ تھی بلکہ اُس وقت کے سیاسی، سماجی، معاشرتی حالات تھے۔ قدامت کی جگہ جدیدیت تھی، وہ خود مسلمان تھیں اس لیے متوسط طبقے کی مسلمان گھرانوں کی عورتوں کے مسائل لے کر آئیں۔ رشید جہاں عورت کی انفرادی حیثیت کو تسلیم کرتی ہیں اور وہ عورت کو کسی کا محکوم نہیں دیکھنا چاہتیں، عورت اپنا علیحدہ وجود رکھتی ہے اور اُسے ہر حال میں اسے قائم رکھنا چاہیے۔ رشید جہاں خود پڑھی لکھی اور باشعور خاتون تھیں۔ وہ عورتوں کی زندگی میں غلامانہ ماحول سے نجات کی خواہش مند تھیں۔ رشید جہاں نے ڈراموں کے علاوہ کل ۱۹ افسانے لکھے جو اُن کے تین افسانوی مجموعوں "عورت" اور دیگر افسانے "شعلہ حوالہ" ۱۹۴۲ء اور "وہ اور دوسرے افسانے" ۱۹۷۷ شامل ہیں۔

رشید جہاں کی فکر انقلابی اور لہجہ باغیانہ ہے۔ افسانہ "پردے کے پیچھے" میں یہی فکر نمایاں ہے۔ مولوی صاحب ایک بار مارنے کے بعد جب دوبارہ بیوی پر ہاتھ اٹھاتے ہیں تو نسائی انداز دیکھئے:

> " اپنی عزت کی خیر چاہتے ہو تو اس بار اگر تم نے ہاتھ اٹھایا تو میں ذمے دار نہیں۔" مشہور افسانوں میں "پردے کے پیچھے"، "آصف جاہ کی بہو"، "چھدا کی ماں"، "بے زبان"، غلط مذہبی حوالے، مولوی ملا ترقی پسند تحریک کے لکھنے والوں کا خاص نشان تھے۔ افسانہ "غریبوں کا بھگوان" مذہبی حوالے سے طنزیہ انداز میں لکھا گیا افسانہ ہے۔

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"دلّی کی سیر" عورتوں کی محدود زندگی کو نمایاں کرتا ہے۔ "بے زبان"، "اندھے کی لاٹھی"، "ساس بہو"، ان افسانوں میں متوسط طبقے کی زندگی کو بیان کرتی ہیں۔ اس طبقے کے غم، محرومیاں، ناکامیاں اور اِس طبقے کی عورت کی زبان میں لکھتی ہیں۔ "انگارے" میں شامل کہانیاں "دلی کی سیر"، اور 'پردے کے پیچھے" عورت کی مظلومیت کی کہانی ہیں۔ رشید جہاں علی گڑھ کے علمی ادبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، جو عورتوں کے حقوق کا علم بردار تھا۔ رشید جہاں نے نسائی بے باک اسلوب سے اُردو افسانے میں نئی بنیادیں فراہم کرنے کی روایت شروع کی، اِسی ترقی پسند روایت کے ساتھ عصمت چغتائی بھی نظر آتی ہیں۔ انھوں نے شہرت ترقی پسند تحریک کے دور میں حاصل کی اور رومانیت کی جگہ بے باک حقیقت نگاری کی۔ اِس دور میں مغربی تعلیم کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ مغربی تحریکات ہندوستان میں مقبول ہو رہی تھیں اور اُردو ادب بھی ان سب سے متاثر ہو رہا تھا اور ترقی پسند تحریک نے فرسودہ رسم و رواج اور روایت سے بغاوت کی تھی۔ اِسی دور میں پیچیدہ مسائل سامنے لائے گئے، بہت سے جنسی اور معاشی مسائل سامنے آئے جن پر اس سے پہلے لکھنا جرم سمجھا جاتا تھا۔ عصمت چغتائی نے اسی دور میں نسانی، بے باک لہجے، انداز بیاں سے شہرت حاصل کی۔

وہ اصلاح کا اسے زیادہ کا عکاس نظر آتی ہیں۔ انھیں فحاشی کا نام بس دیا گیا۔ انھوں نے عورت کی جنسی زندگی کی عکاسی کی۔ اُس کے مسائل کو پیش کیا لیکن اُن کا حاصل لذت نہ تھا۔

پروفیسر آل محمد سرور اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ (عصمت چغتائی) ایک باغی کا ذہن، ایک شوخ عورت کی طاقت لسانی، ایک فن کی بے لاگ اور بے رحم نظر رکھتی ہیں۔ وہ عورت ہیں مگر اس سے زیادہ ایک فن کار ہیں۔" (4)

عصمت چغتائی نے عورت سے متعلق روایتی تصورات سے بغاوت کی۔ انھیں اپنے ارد گرد کے ماحول سے مکمل آگاہی تھی۔ وہ سماجی بندشوں کی قائل نہ تھیں۔ خاص کر مسلمان گھرانوں متوسط طبقے کے مسائل کی عکاسی کی۔ اُن کا ایک مخصوص طرز بیان ہے جو انھیں علیحدہ شناخت دیتا ہے۔ عصمت نے جس دور میں قلم اٹھایا اُس دور میں عورتوں اور خاص کر مسلمان عورتوں کا شاعری پڑھنا اور سننا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ عصمت چغتائی نے رشید جہاں کی ڈالی روایت کو آگے بڑھایا۔ فرسودہ روایات، غلط مذہبی، سماجی، اخلاقی پابندیاں انھیں قبول نہ تھیں۔ پہلا افسانوی مجموعہ ۱۹۴۰ء میں سامنے آیا جس کا نشانہ معاشرہ تھا۔ انھیں باغی کا خطاب دیا گیا۔ اُسی دور میں منٹو، بیدی اور کرشن چندر بھی ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر لکھ رہے تھے۔ انھیں جنس زدہ افسانہ نگار کہا گیا۔

"لحاف"، "دو ہاتھ" کی "گوری"، چھوٹی آپا" جیسے نسائی کردار جو جنسی اعتدالیوں کا شکار ہوئے، اِس حیثیت کے عکاس تھے کہ عورت کی جبلت کے اس پہلو کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ "چوتھی کا جوڑا"، "جڑیں"، "چھوٹی موٹی"، "لحاف"، "ڈاٹسن"، "ڈھیٹ"، "بچپن"، "لیزا" عصمت کے بہترین افسانے ہیں۔ وہ متوسط طبقے کی طبقاتی کشمکش کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ تہذیبی اقدار کا ٹوٹنا بھی سامنے لے کر آتی ہیں۔ معاشرتی ظلم و جبر کے حقائق سے بھی پردہ اٹھاتی ہیں اور نئی راہیں بھی تلاش کرتی ہیں۔ فرسودہ رسومات کو ختم بھی کرنا چاہتی ہیں۔ وہ فحاش نگار نہیں حقیقت نگار ہیں۔ اپنے فن کے بارے میں خود لکھتی ہیں:

"وہ مصور نہیں ہیں جو رنگوں سے تصویر کی اصلیت کو بدل دیں بلکہ وہ ایک فوٹو گرافر ہیں۔ فوکس میں جس طرح آئے گا ایسا ہی تصویر میں نظر آئے گا۔" (5)

اُن کا بے تکلف اسلوب انھیں منفرد بناتا ہے۔ گھریلو عورت کے طعنے سننے، کوسنے، محاورات، لہجہ، گالیاں، نسائی لب و لہجے کی قوت بیسویں صدی کے ادب میں گونج دار آواز کے ساتھ زندہ ہے جہاں عصمت کے ہاں گہری حقیقت نگاری ہے جنسی اور جسمانی بے باکی کی صورت نمایاں ہے۔ وہاں حجاب امتیاز علی نے رومانی اور تخیلاتی فضا پر اپنے فن کی بنیادیں کھڑی کیں۔ لطافت اور نزاکت کو کہیں کھونے نہیں دیا، ان کے اہم افسانوی مجموعے "میری ناتمام محبت"، "رابش"، "کاونٹ الیاس کی موت"، "ممی خانہ"، "صنوبر کے سائے"، "وہ بہاریں یہ خزائیں" حسن، لطافت موسیقی سے بھری ہوئی ہے۔ ڈاکٹر وقار عظیم لکھتے ہیں:

"حجاب ان انسانوں میں ایسے واقعات پیش کرتی ہیں جو زندگی کا سچا عکس معلوم ہونے کے باوجود تمام زندگی سے بالکل مختلف ہیں۔ حقیقت اور تخیل کا پر لطف امتزاج ہے۔" (6)

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

حجاب کے افسانوں میں عشق و محبت نظر آتا ہے۔ وہ عشق و محبت کو زندگی کا سب سے بڑا سچ سمجھتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں عورت کا ایک خاص لہجہ ملتا ہے جو اپنے اندر ایک قوت کا حامل ہے۔ رومانی اسلوب اور دل کش منظر نگاری تخیلاتی فضا ایک رنگ دنیا میں لے جاتی ہے۔ حجاب کا دور ترقی پسند تحریک کے عروج کا دور تھا۔ عصمت چغتائی کا بے باک لہجہ اور باغیانہ انداز مقبول ہو رہا تھا۔ حجاب نے زندگی کا دوسرا چہرہ پیش کیا جو حسن، محبت کے ساتھ حیرت اور تجسس کا بھی حامل تھا لیکن اس کے ساتھ حجاب بھی ان اقدار کو قبول نہیں کرتی جو فرد کو پابند کر دیں، مثبت اقدار کا فروغ چاہتی تھیں اور خوف، حیرت اور ہیبت کو جب پیش کرتی جن میں افسانہ "لاش"، کاونٹ الیاس کی موت اور "ممی خانہ" اور "بعوت شیطان کفن" جیسے کرداروں کو لے کر آتی ہیں اور ماحول سحر زدہ اور خوف ناک بنا دیتی ہیں۔ یہ ہی لب و لہجہ انھیں دوسرے لکھنے والوں میں انفرادیت عطا کرتا ہے۔

مسز عبد القادر نے جس دور میں لکھا حقیقت پسندی اور ترقی پسند تحریک ایک سنگم پر کھڑی تھیں اور رومانیت کا بھی چرچا تھا۔ ان کے افسانوں کے چار مجموعے منظر عام پر آئے۔ "لاشوں کا شہر" ۱۹۳۶ء، "صدائے جرس" ۱۹۳۹ء، "راہبر" ۱۹۴۹ء" وادی ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئے۔ مسز عبد القادر نے جدت کی راہ اپنائی۔ اپنی تحریروں میں پر اسرار فضا حیرت اور خوف کا عنصر شامل کیا اور قدیم ماضی کو بھی شامل رکھا اور اپنے افسانوں کی فضا جنگلوں، قبرستانوں، غاروں اور موسموں سے بنائی۔

"لاشوں کا شہر" کی فضا بندی دیکھئے:

> "سرمئی آسمان پر دور دراز تک سفید ٹیلوں کی قطاریں، گھونسلوں میں پرندوں کی شوخی، پھڑ پھڑاہٹ، جنگلی گدھوں کی منحوس آواز ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ خونخوار ندی کا پانی سیاہ ناگن کی طرح۔۔۔ پتھروں کو چیر تا تیزی سے رواں تھا، ارد گرد فضا بہت اداس تھی۔ (7)

قاری کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے مافوق الفطرت عناصر کو بس افسانوں میں جگہ دیتی ہیں یعنی ماورائی تصورات کو معاشرے سے ہم آہنگ رکھتی ہیں اور قاری کو محسوس نہیں ہونے دیتی۔ انسان ذہن ہر لحہ نئی مہم کے لیے تیار رہتا ہے۔ اِن دیکھی دنیا اور داستانوی اسلوب اور رومانی انداز پڑھنے والوں کو سحر سے نکلنے نہیں دیتا نہ صرف ہندو تہذیب بلکہ اسلامی عقائد اور قدیم روایتوں بھی خوبی سے افسانوں کا حصہ بناتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں عبد الحلیم شرر کی جھلک نظر آتی ہے۔ قابلِ ذکر افسانوں میں راکھش، سادھو کا بھوت، ناگ، دیوتا، شگوفہ، کاسہ سر شامل ہیں۔ صالحہ عابدہ، تسنیم چھتاری، صدیقہ بیگم اور شکیلہ اختر بھی زمانی طور پر اس زمانے کی خواتین میں شامل ہیں لیکن ترقی پسند تحریک سے جو خواتین براہ راست متاثر نہیں ہوئیں۔

واجدہ تبسم نے ترقی پسند تحریک کے زیر اثر جنس کے بارے میں لکھا۔ ان کی نظریں جنسی یا نفسیاتی گھٹن پر نہیں تھیں بلکہ ہندوستان کی معاشرتی زندگی میں جنس کے عمل کو پسند کرتی تھیں، انھوں نے ایک ایسی تہذیب کو پیش کیا جس کی اچھائیاں وقت لے اڑا اور مذہب کے نام پر منافقت حکومت کے نام پر رعایا کے ساتھ بد سلوکی دے گیا۔ جنس پر ان کے نمائندہ افسانے ان کے افسانوی مجموعے "اترن" میں پیش ہوئے۔ ان افسانوں میں غلام طبقے کے ساتھ امراء کی زیادتیاں، کنیزوں، غلاموں کی اجیرن ہوتے ہوئے زندگی ہی ان کے افسانوں کے موضوعات ہیں۔ ان کے افسانوں میں عورت کی خاندانی زندگی نہیں ہے بلکہ غلام عورت دکھائی گئی ہے جس سے جنسی خدمت لی جاتی ہے اور کبھی امراء اپنی لڑکیوں کی شادی کروانے کے لیے اسے صدقے کے طور پر دے دیتے ہیں۔ ایسی عورتوں کو ساری عمر شادی کروانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ان غریبوں کی پیسہ مجبوری ہوتا ہے اور ان کو ذہنی طور پر امراء کی نمک حلالی کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہیں واجدہ بغاوت کا راستہ بھی دکھاتی ہیں۔

> "نمک اور شکر کو مارو گولی، کوئی کسی کا دیا نہیں کھاتا۔ سب خدا کا دیا کھاتے ہیں، تمہاری جہالت نے تمہیں اس قید میں ڈال دیا ہے۔" (8)

ترقی پسند تحریک کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی خواتین افسانہ نگاروں میں جیلانی بانو خاص طور پر اہم ہیں۔ جیلانی بانو جدید عورت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ وہ عورت کو نڈر، بے باک دیکھنا چاہتی ہیں جسے مرد کی کوئی پرواہ نہیں۔ انھوں نے عورت کے ہر روپ کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔ وہ ماں، بہن، بیوی، ساس، بہو سب ہی کردار اِن کے ہاں ملتے ہیں۔ وہ ان کا نفسیاتی مطالعہ بھی کرتی نظر آتی ہیں اور طبقاتی بھی اس کے ساتھ ہی پرانی عورت کے مسائل اور جدید عورت کی آزمائش اور ٹھوکریں بھی بڑے بے باک انداز میں بیان کرتی ہیں۔

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

قراۃ العین حیدر کے ہاں افسانے کے کئی رجحانات نظر آتے ہیں۔ تاریخی شعور، لاشعور، رومانیت، حتیٰ کہ کوئی دوسری افسانہ نگار علمیت میں ان کے مدمقابل مشکل سے ہی آتی ہے۔ ان کا دور لکھنو کا خاص اہمیت کا دور تھا۔ ان کے افسانوں میں قحط اور بھوک نہیں بلکہ یوپی کی تہذیب سے گہرا لگاؤ ملتا ہے۔ ان کے ہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کا مشترکہ سرمایہ تھی۔ ان کے ہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان نوک جھوک نہیں ملتی بلکہ وہ ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کی علم بردار ہیں۔ انھوں نے انگریزی ادب سے بھی فائدہ حاصل کیا۔ شعور کی رو، ورجینا، نفسیات، عصری حسیت، تاریخ کا شعور ان کے فن کے خدوخال کو روشن کرتی ہیں۔

> "وہ جو خون کے دریا اور موت کی دلدلیں اور تاروں پر لٹکتے ہوئے انسان اور درختوں سے لٹکتی ہوئی لڑکیاں دیکھ کر آرہی تھی۔ اس نے چاروں طرف نظر ڈالی، ایئر پورٹ کے سبزے پر شبنم کے قطرے جگمگا رہے تھے۔ اور نیا پرچم آسمان کی بلندیوں پر لہرا رہا تھا۔"(9)

قراۃ العین نے عورت کو بھی کئی صدیوں کے تناظر اور ایک خاص پس منظر میں بیان کیا ہے اور گردوپیش کے حقیقی مسائل کے ادراک کو موضوع بنایا ہے۔ خدیجہ، ہاجرہ دونوں بہنوں نے عصمت کی روایت کو آگے بڑھایا لیکن خدیجہ کو عصمت سے کچھ اس طرح علیحدہ کرسکتے ہیں کہ انھوں نے عورت میں سیاسی شعور کو اجاگر کیا۔ خدیجہ کی تحریروں میں بھی ترقی پسند تحریک موجود ہے۔ انھوں نے افسانہ نگاری کا آغاز ۱۹۳۸ء میں کیا۔ ان کا اہم موضوع جنس تھا۔ جس کے پس منظر میں نفسیاتی الجھنوں، غربت اور گھٹن کو دیکھا جاسکتا ہے۔ خدیجہ کے افسانوں میں متوسط طبقے کی عورت کو پیش کیا گیا ہے جس کی بڑی وجہ ترقی پسند تحریک سے ان کی وابستگی تھی۔ ابتدا سے ہی ان کا رجحان ترقی پسند تحریک سے تھا جبکہ ۱۹۴۵ء میں ترقی پسند تحریک اپنے عروج پر تھی۔ ان کے ابتدائی افسانوں میں رومانی لہجہ، معاشرتی مسائل اور حقوق کا بیان ملتا ہے جبکہ دوسرا افسانوی مجموعہ "بوچھاڑ" ترقی پسند کا رنگ اوڑھے ملتا ہے جس میں جنسی گھٹن، ترقی و آزادی کی تڑپ اور طبقاتی تقسیم کے پیدا شدہ مسائل کا بیان ملتا ہے۔ ان کے ایک افسانے کا اقتباس:

> "یہاں درختوں کو پالو پوسو اور جب پھل دیں تو دوسرے ملکوں میں کھانے کو بھیج دو۔"(10)

خدیجہ کا احتجاجی رویہ کبھی کبھار بہت زیادہ خائف نظر آتا ہے۔ وہ عورت کے باغی پن کو اور مجبوری کو افسانوں میں احتجاجی طریقے سے بیان کرتی ہیں۔ خدیجہ عالمی مسائل کو گہری نظر سے دیکھتی اور ان کے نتائج اخذ کرتی ہیں۔ ۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک نے اردو کو جو حیثیت اور عالمگیر انسانی بنیادیں عطا کیں تھیں، ان کا تذکرہ خدیجہ کے ہاں بھی موجود ہے۔ ان کے افسانے کئی موضوعات رکھتے ہیں لیکن ترقی پسند تحریک سے وابستگی اور ان کے تعلق ان کی تحریروں سے عیاں ہے۔ ان کے افسانوں میں شعور کی گہری پختگی موجود ہے۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتی زندگی اور تجرباتِ زندگی ان کے افسانوں کی بہار ہیں۔ خدیجہ آغاز سے ہی ترقی پسند تحریک کی خواہاں تھیں۔ اسی رجحان کو آگے چل کر انھوں نے اپنایا۔ ۱۹۵۰ء میں وہ انجمن ترقی پسند مصنفین لاہور کی شاخ کی سیکرٹری منتخب ہوئیں۔ انھوں نے محض ترقی پسند نظریے کی پاسداری ہی نہیں کی بلکہ جوش و خروش سے اسے اپنایا اور اس کی ترویج کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

مجموعی طور پر اگر ان کی افسانہ نگاری کا جائزہ لیا جائے تو اس بات سے انکار ممکن ہی نہیں کہ خدیجہ ترقی پسند ذہنیت کی حامل تھیں۔ ان کا فن جدت کا حامل نہیں لیکن افسانہ نگاری میں خوشگوار توازن اور معیار ہے۔ ترقی پسند افسانے کی روایت میں خدیجہ مستور خاص مرتبے کی حامل ہیں۔

صالحہ عابد حسین بھی ترقی پسند ادب کی سرگرم رکن تھیں۔ ان کی نظریاتی وابستگی رضیہ سجاد ظہیر کے ساتھ کافی ملتی ہے۔ جو انھیں ترقی پسند افسانہ نگاروں کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے دو مجموعے "زرد گلاب" اور "اللہ دے بندے" طبقاتی مسائل، سیاسی ناانصافیاں اور ان کا جامع انداز انھیں دوسروں سے ممیز کرتا ہے۔

سرلا دیوی کرشن چندر کی بہن تھیں۔ "کلنک" اور "چاند بجھ گیا" ان کے افسانوی مجموعے خالصتاً ترقی پسند تحریک کے تناظر میں سماجی اور تہذیبی المیے کو للکارتے ہوئے موضوعات کے عکاس ہیں۔ عورت کا استحصال، جنسی کج روی، فرقہ ورانہ فساد کے نتیجے میں رونما ہونے والی انسانی اور تہذیبی برائیاں بھی ان کے افسانوں کے موضوعات ہیں۔

ہاجرہ مسرور ۱۹۴۲ء تک "ہائے اللہ"، "نیلم"، "بندر کا گھاؤ"، شائع کروا کے افسانہ نگاروں کی پہلی صف میں جگہ بنا چکی تھیں۔ ان کے موضوع بھی سماجی ناانصافی کا شکار عورت تھی۔ ان کے افسانوں میں عورتوں کے مسائل عصمت کی نسبت ڈھکے چھپے انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ ان کا طنزیہ لہجہ ہی ان کی اصل پہچان ہیں۔ ترقی پسند تحریک

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

سے وابستگی ہاجرہ اور خدیجہ دونوں کے ہاں قدرِ مشترک ہے۔ دونوں بہنیں ترقی پسند ادبی تحریک کے نظریات اور مقاصد کی متحمل ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ہاجرہ کے فن میں ٹھہراؤ آیا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد سیاسی قوتوں کی جانب سے ترقی پسند قوتوں کے لیے ظالمانہ رویہ اختیار کیا گیا جو کہ وقت کے ساتھ شدت پکڑنے لگا یہ وہ وقت تھا جب ہاجرہ نے اپنے افسانوں میں سرمایہ دارانہ نظام اور غیر مساوی تقسیم کو ہدف تنقید بنایا۔ ان کے ایک افسانے کا اقتباس دیکھئے:

"ملک میں ہائے بے روزگاری، وائے بھوک کے نعرے شورش پسندوں کی ایجاد ہوئی، ہمارے ہاں غیر ملکیوں تک کو بڑے بڑے عہدے مل جاتے ہیں۔"(11)

قیام پاکستان کے بعد جو افسانے ہاجرہ نے لکھے ان میں "راجہ ہل"، "پرانا میسج"، "عذاب"، "شاہکار"، افسانے ہیں۔ یہ انقلابی افسانے معاشرے کی سچائیوں مثلاً کسان کی خوشحالی کا بدحالی میں بدلنا، سرکاری پالیسیوں اور قانون کا اتار چڑھاؤ اور عام آدمی کی زندگی کے اس سے تعلقات کا واضح بیان ہیں۔ جنھیں ہاجرہ نے بڑی ریاضت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جنس عورت اور اس کے مسائل کا بیان بھی ان کے افسانوں میں نمایاں ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

" ہاجرہ کے افسانوں میں عورت کی مظلومیت کا اس طور ذکر ہوتا ہے کہ بے اختیار افسانہ نگار کی صنف کا احساس نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مردانہ سماج میں عورت کے بارے میں ابھی تک بہت سی زنجیریں ابھی زنگ آلود نہیں ہوئیں۔"(12)

اختر جمال ایک ترقی پسند افسانہ نگار ہیں۔ اگرچہ ان کے افسانوں میں دوسری خواتین افسانہ نگاروں کی طرح جذباتیت، تفصیل موجود نہیں اس وجہ سے بعض افسانے "زرد پھول"، "میٹھا بیل"، "مگرمچھ کے آنسو"، معمولی دکھائی دیتے ہیں لیکن کسی طرح سے بھی سیاسی و سماجی شعور سے کم نہیں ہیں۔ اختر جمال بہت سی ترقی پسندوں کے مقابلے میں ایمان والی اور ثابت قدم ثابت ہوئیں۔ جنھوں نے سرکاری ملازمت کا انعام و اکرام کے عوض اپنی ترقی پسند کو کونے میں نہیں لگایا۔ ان کے کئی افسانوں میں تحریک پاکستان کی جھلکیاں قائد اعظم اور فاطمہ جناح کا تذکرہ امڈ کر سامنے آتا ہے اور کہیں مسلمانوں کے عزم اور خواب بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً

"ابا جان ہم رسم افتتاح کے لیے محترمہ فاطمہ جناح کو دعوت دیں گے۔"(13)

اسی طرح

"ہمارے قلم آزاد ہوں گے ہماری روحیں آزاد ہوں گی۔ سب کچھ یاد کر کے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔"(14)

ہجرت اختر جمال کا خاص موضوع ہے۔ ان کے کردار پاکستان کی محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود تہذیبی رشتوں کے لیے تڑپ رکھتے ہیں۔ تقسیم شدہ خاندان، بکھری محبتیں، ان کے افسانوں میں جس المیے کا بیان پیش کرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کے افسانوں میں اسلام اور پاکستان سے محبت کا درس بھی ملتا ہے اور وطن میں غیور ہم وطن بھی جو امریکہ کہ پاکستان سے بڑھتی ہوئی الفت پر تبصرہ کرتا ملتا ہے۔ ہندوستان میں تو مسلمان خطرے میں ہیں لیکن پاکستان میں اسلام کیوں خطرے میں ہے۔ ان کے افسانوں کے لاجواب موضوعات ہیں۔ اسی طرح ان کے افسانوں کا ایک کردار "صغیر بھائی" شراب کے نشے میں دھت ہو کر اسلامی کلچر پر تقریر کرنے کو تیار ملتے ہیں۔ اختر جمال ترقی پسندانہ نقطہ نظر رکھتی ہیں۔ ان کے ہاں سماجی مسائل کا اظہار جرأت مندی سے کیا گیا ہے۔ تقسیم وطن سے ذرا پہلے ترقی پسند افسانہ نگاروں میں شکیلہ اختر، اعجاز شاہین، عصمت آرا، شمیم صادقہ اور نشاط افزاء کے نام بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

رضیہ سجاد ظہیر نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز رسائل سے کیا۔ متوسط طبقے کے بارے میں لکھا۔ عام گھریلو عورتوں کی عکاسی کی اُن کی محرومیوں، مجبوریوں کو پیش کیا۔ اہم افسانوی مجموعے زرد گلاب، رنگ بدلتے ہیں، اللہ دے بندہ لے، زیادہ قابل ذکر ہیں۔ موضوعات میں نسائی انداز میں عورتوں کے مسائل ہیں لیکن طرز اسلوب سچائی لیے ہوئے ہے۔ معاشرتی اور سماجی اقدار پر طنزیہ انداز بھی اپناتی ہیں۔ ترقی پسند افسانے کی روایت کے مطابق طبقاتی کشمکش اور سرمایہ دارانہ استحصال کے کلاف نسائی انداز میں احتجاج کا اظہار بھی ملتا ہے۔ عورت کو اُس کی آن بان کے ساتھ دیکھتی ہیں۔ عورت کی خودداری کی قائل ہیں۔ عورت کی کمزوریوں کو اس کی طاقت کی صورت میں دیکھنا چاہتی تھیں اور اِس عزم کی جھلک ان کے لب و لہجے میں بھی نظر آتی ہے۔ رضیہ سجاد کے ہاں رومان بھی نظر آتا ہے لیکن یہ رومان غم جاناں کا نہیں غم دوراں کا ہے، لہجے میں تیزی نہیں۔

خورشید زہرا عابدی لکھتی ہیں:

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

" رضیہ سجاد ظہیر کی کہانیوں میں زندگی کے نقوش دھیرے دھیرے گہرے ہوتے جاتے ہیں۔ ایک عورت کے جذبات سے دوسری عورتوں کے مسائل کو جانا اور ایک بہتر زندگی کی تشکیل کا جذبہ پیدا کرایا"۔(15)

اُس زمانے کی حقیقی تصویریں رضیہ سجاد ظہیر کے افسانوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ سادہ اور دلنشین انداز میں سچائیوں کو بیان کرتی چلی جاتی ہیں۔ دو افسانوی مجموعے شائع ہوئے۔ " اللہ کی مرضی"، " اور رنگ بدلتے ہیں"۔ رضیہ کا انداز متوازن ہے۔ انداز حقیقی ہے۔ نسائی انداز میں عورتوں کے مسائل کا تجزیہ کرتی ہیں۔

ترقی پسند تحریک کے ماتحت لکھنے والوں میں ممتاز شریں کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ افسانہ نگار اور نقاد کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں۔ مغربی ادب سے متاثر نظر آتی ہیں لیکن تحریروں میں ترقی پسند خیالات کا پرچار کرتی ہیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات ازدواجی زندگی، محبت، رفاقت خاص موضوعات ہیں۔ اسلوب میں سادگی ہے، گہرے جذبات ہیں۔ فلسفے میں نہیں الجھاتی۔ ممتاز شریں کے افسانوں میں تکنیک کے تجربات بھی موجود ہیں۔ نیا اسلوب ہے، جدید تحریکات کے اثرات ہیں۔ عالمی ادب کے گہرے اثرات بھی اسلوب میں موجود ہیں۔ انہی اثرات کی وجہ سے ممتاز شریں کے افسانوں میں مواد اور تکنیک کے وسیع تجربات ملتے ہیں۔ لب ولہجہ بھی عالمی معیار کے مطابق ہے۔ انگریزی، فارسی، ہندی، ترکی، فرانسیسی زبانوں میں مہارت رکھتی تھیں اور انھوں نے ان زبانوں کے تراجم بھی کیے۔ اُن کے افسانوں میں وسعت اِن تراجم کی بدولت بھی پیدا ہوئی عالمی تبدیلیوں سے بھی آگاہ تھیں۔ موضوعات میں تنوع تھا۔ مکالمے اور نسائی لب ولہجہ انفرادیت کا حامل تھا، اس کے ساتھ تنقیدی نقطہ نظر بھی استعمال کرتی ہیں۔ ڈاکٹر نزہت عباسی لکھتی ہیں:

" ان کے (ممتاز شریں) کے افسانوں کی ذہنی اور علمی سطح تک علم قاری کی رسائی نہیں۔ وہ جن استعاروں، تلمیحات، اور تشبیہات کا احتمال کرتی ہیں۔ وہ اعلیٰ درجے کی ہوتی ہیں۔ اس لیے اُن کا لب ولہجہ منفرد اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔"(16)

افسانوں کے تین مجموعے شائع ہوئے۔ اُن میں "اپنی نگریا"، "حدیث دیگراں"، "میگھ ملھار"، شامل ہیں۔ ایک انگریزی افسانوں کا مجموعہ شائع ہوا۔ وہ اپنے عہد کی دیگر خواتین افسانہ نگاروں سے منفرد متوازن سوچ کی مالک تھیں۔ انھوں نے جنسی یا سنسنی خیز موضوعات کو نہیں بلکہ مرد اور عورت کے مسائل خاص کر ازدواجی زندگی کے مسائل جینے اور اُن کے بارے میں لکھتے ہوئے بھی جنسی کو موضوع نہیں بنایا بلکہ انسانی رشتوں اور اُن کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ وہ باقاعدہ طور پر تحریک پسند تحریک سے وابستگی نہ رکھنے کے باوجود اسی تحریک کے اثرات کے ماتحت لکھتی تھیں اور گھر کے اندر کی زندگی کی خوبصورتی کو نمایاں کرتی تھیں۔ مغربی افسانہ نگاروں سے متاثر ہونے کے باوجود بھی ملکی فضا کو برقرار رکھتی ہیں اور ہندوستان کی عورت کی زندگی کو نسائی اسلوب کے ساتھ نمایاں کرتی ہیں۔ ذہانت اور پختگی کی بدولت دیگر افسانہ نگاروں سے ممتاز حیثیت کی حامل ہیں۔

ترقی پسند تحریک کے ماتحت اُردو افسانہ میں نئے نئے تجربات شامل ہوئے۔ جن موضوعات پر لکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں نے بھی اُن موضوعات پر لکھنا شروع کیا۔ عورت کی سماجی حیثیت کو عورتوں نے ہی بدلنے کی کوشش کی۔ تلخی، طنز، بے باکی، جرأت، کرب، اذیت، افسانے میں نظر آنے لگی۔ رشید جہاں، عصمت چغتائی، دیگر خواتین ادیبوں نے کھل کر نسائی موضوعات اور نسائی لب ولہجے سے حقیقت کا رنگ اُردو افسانے میں شامل کیا۔ عورت کی حالت کو بیان کیا گیا۔ اس کے جنسی مسائل کو اجاگر کیا گیا۔ رشید جہاں اور عصمت چغتائی اور ممتاز شریں کے ہاں ترقی پسند اسلوب پختہ اور منفرد صورت میں نظر آتا ہے۔ زبان میں بے باکی ہے۔ نسائیت کے اظہار کے لیے گھریلو خواتین کا لب ولہجہ بھی موجود ہے۔ شعور، تحت الشعور اور لاشعور کی وسعتوں اور پیچیدگیوں کو بھی یہاں کیا گیا۔ مرد افسانہ نگار بھی عورتوں کے مسائل کی عکاسی میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ ترقی پسند خواتین ادیبوں نے جنسی استحصال، معاشی بدحالی، حقوق کی پامالی کے خلاف آواز اٹھائی۔

عصمت چغتائی، رشید جہاں، ممتاز شریں کے ہاں ترقی پسندانہ اسلوب نمایاں ہے۔ خاص کر عصمت چغتائی کے ہاں زبان تیز اور طنز ہے جس میں چبھن کا احساس نمایاں ہے۔ بے باکی ہے، گھریلو خواتین کا نفسیاتی تجزیہ بھی عصمت کے ہاں ملتا ہے۔ ترقی پسند خواتین نے عورت کے جنسی استحصال معاشی حالت اور بنیادی حقوق کی آواز بلند کی۔ وہ عورت کو مرد کا محتاج نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ انھیں عورت مظلومیت کے روپ میں ناپسند تھی۔ لیکن بعض جگہوں پر حد اعتدال سے تجاوز کرتی بھی نظر آئیں۔ جہاں ترقی پسند افسانہ نگاروں پر اعتراضات بھی کیے گئے۔ اُسی دور میں منٹو بھی جنس پر لکھ رہے تھے اور عورت کے جنس زدہ روپ کو بیان کر رہے تھے لیکن عورتوں نے نسائی انداز

Vol. 5 No.4 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

میں عورت کی زندگی کے چھپے ہوئے گوشوں کو بے نقاب کیا۔ عورت کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ عصمت ہی کے زمانے میں رشید جہاں نے بھی لکھنے کی روایت سے بغاوت کی دوسری لکھنے والی افسانہ نگاروں میں نظر سجاد حیدر یلدرم، صغرا ہمایوں وغیرہ نے اصلاحی انداز برقرار رکھا۔

اُس دور میں ترقی پسندی کے ساتھ حقیقت نگاری اور نفسیات نگاری بھی عروج پر تھی اور اِس دور میں ترقی پسند اپنا مقصد صرف لکھنا نہیں سمجھتے تھے بلکہ مسائل کا حل بھی چاہتے تھے۔ اُردو افسانے نے آغاز سے لے کر قیام پاکستان تک معاشرتی، سیاسی، معاشی حالات کے ماتحت کئی رخ تبدیل کیے، خاص کر ترقی پسند تحریک کے دوران ۱۹۳۶ء کے بعد مغرب اور مشرق ادب، ادب کے ساتھ تہذیبوں کے تصادم نے نت نئے موضوعات اور اسلوب اُردو افسانے کو عطا کیا۔ قاری کا ذہن بھی تبدیل ہوا۔ ادب نے قاری کو بدلتے وقت کی تبدیلیوں کو قبول کرنے کے لیے تیار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ترقی پسند تحریک کا اِس میں خاص حصہ ہے کیوں کہ حقیقت نگاری اور رومانویت پسندی کے ساتھ اصلاح اور انقلاب نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔ ترقی پسند تحریک میں فرد کی زندگی کو بدلنے کی خواہش تھی اور اس میں عورتوں کے ساتھ نمایاں حصہ کردار مردوں کار ہاان میں سجاد حیدر یلدرم سے لے کر احمد ندیم قاسمی کی اور اُن کے بعد آنے والے ادیب بھی شامل ہیں۔ موضوعات بدلے، اسالیب بدلے، افسانوں میں عورتوں نے ترقی پسند تحریک کے زیر اثر نسائی زندگی کے چھپے ہوئے گوشے بے نقاب کیے اور اُردو افسانے کو مزید پذیرائی بخشی۔

حوالہ جات

1۔ عبدالقیوم ابدالی، ڈاکٹر، ترقی پسند ادبی تحریک اور سردار جعفری، مشمولہ ماہنامہ افکار، کراچی: نومبر، دسمبر، ۱۹۹۱ء، ص ۲۔۸
2۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو، اشاعت دہم، فروری ۲۰۱۸ء، ص ۴۴۶
3۔ نزہت عباسی، اُردو کے افسانوی ادب میں نسائی لب ولہجہ، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۱۳ء، ص ۲۷۱
4۔ آل احمد سرور، تنقیدی اشارے، لاہور: لاہور پریس کلب، ۱۹۶۳ء، ص ۴۲
5۔ عصمت چغتائی، کاغذی ہے پرہن، لاہور: لاہور پریس، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۷
6۔ وقار عظیم، سیّد، ہمارے افسانے، لاہور: لاہور پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۳ء، ص ۲۷۔۲۸
7۔ مسز عبدالقادر، لاشوں کا شہر، لاہور: اُردو مرکز، ۱۹۵۵ء، ص ۲۱۲
8۔ واجدہ تبسم، اترن، بمبئی، اوورسیز بک سینٹر، ۱۹۷۷ء، ص ۱۵۵
9۔ قراۃ العین حیدر، کیکٹس لینڈ، شیشے کے گھر، لاہور: مکتبہ جدیدہ، ۱۹۵۴ء، ص ۲۲۲
10۔ خدیجہ مستور، ٹھنڈا میٹھا پانی، لاہور: نقوش پریس، ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۶
11۔ ہاجرہ مسرور، اندھیرے اجالے، لاہور: مکتبہ لاہور، ۱۹۵۳ء، ص ۹۹
12۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، تیسرا ایڈیشن، ملتان: کتاب نگر، ۲۰۱۷ء، ص ۲۲۳
13۔ اختر جمال، وراثت، انگلیاں نگار اپنی، لاہور: ادارہ فروغ ادب، ۱۹۱۷ء، ص ۸۲
14۔ ایضاً، ص ۱۰۱
15۔ خورشید زہرا عابدی، ترقی پسند افسانے میں عورت کا تصور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۵
16۔ ڈاکٹر نزہت عباسی، اُردو کے افسانوی ادب میں نسائی لب ولہجہ، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۱۳ء، ص ۳۴۹